کا تذکرہ کیا ہے۔ موصوف کے بیان کے مطابق امارتِ شرعیہ کی ضرورت کا آغاز سنہ ۱۸۰۳ء کے اس منحوس دن سے ہوتا ہے جس دن غیر ملکی اقتدار نے یہ نعرہ بلند کیا۔

"ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا"۔

مولف کے نزدیک اسی دن دار الاسلام نے دار الکفر کی شکل اختیار کی اور اسلامی سیاست، اسلامی حقوق اور اسلامی مفاد کی نگہداشت اور صیانت کے لیے اسی دن سے ایک دینی امارت کی ضرورت پیدا ہوئی۔ مگر ہم یہ نہیں سمجھے کہ اُس سیاسی نظام کو مولانا کس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں جس کا نعرہ یہ تھا۔

"ملک خدا کا اور حکم مغلیہ خاندان کا"

آگے چل کر ایک عجیب و غریب بحث مطالعہ میں آتی ہے۔ یعنی فاضل مصنف ہندوستان میں تحریکِ اسلامی کو دو دوروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک دور وہ جو سنہ ۱۸۰۳ء سے شروع ہوا اور اسے وہ انقلابی دور کا نام دیتے ہیں اور دوسرا دور وہ جو انقلابی دور کے آخری امام مولانا محمود الحسن صاحب کی اسارتِ مالٹا ۱۹۱۷ء کے چند ہی مہینے بعد سے شروع ہوا اور اسے وہ آئینی دور کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان کے ارشاد کے مطابق اس دور کی تعریف یہ ہے کہ اس میں قیامِ دین کی تمام جدوجہد غیر اسلامی حکومت کے بنائے ہوئے قوانین کی حدود کے اندر سمٹ گئی۔ اگر اس دوسرے دور کو محض واقعہ کی حیثیت سے دیکھا جاتا تو کچھ عجب نہ تھا، مگر محترم مولف اسے ناگزیر، صحیح اور واجب القبول قرار دیتے ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکے کہ اعلائے کلمۃ اللہ اور احترامِ نظامِ کفر یہ دونوں نقیضین جمع کیسے ہو جاتے ہیں، مگر "تاریخِ اسلام" کے عجائب گھر میں اس سے بڑے بڑے عجائب و غرائب چھپے ہوئے ہیں۔ کاش کہ صاف صاف الفاظ میں یہ تسلیم کر لیا جاتا کہ انقلابی دور میں جو گرم روح کام کر رہی تھی وہ انحطاط کے عمل سے جب زیادہ ٹھنڈی پڑ گئی تو مسلمان آئینی جدوجہد کی طرف متوجہ ہو گئے۔

مگر اوپر کی سطور کا یہ مطلب نہیں کہ امارتِ شرعیہ بہار کے کارنامے کا وزن گرایا جائے۔ ہرگز نہیں۔ درحقیقت اس قابلِ قدر ادارے نے ہندوستان میں اسلام کے تحفظ کے لیے بہت کچھ کام کیا ہے اور مسندِ امارت جن جن لوگوں کے قبضہ میں رہی ہے ان کی بصیرت اور تقوی اور ان کی خدمات کا احترام کرنا ہمارا فرض ہے۔

Our Future Educational programme

از جناب محمد فضل الرحمٰن صاحب انصاری، ایم۔ اے (علیگ)۔ قیمت ۱۲ر۔ ملنے کا پتہ:۔ دی علیگڈھ بکس اینڈ نیوز پیپرز ایجنسی، ۶۔ شبلی روڈ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

یہ انگریزی کتاب مسلمانوں کی تعلیم کے پیچیدہ اور اہم ترین مسئلہ پر بحث کرتی ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ مصنف نے مسلمانوں کے لیے "غیر مسلم تعلیم" کے بجائے "مسلمان تعلیم" کا پروگرام تجویز کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اس بنیادی نکتہ کی اہمیت کو موصوف نے